اُردو آپ بیتی کی روایت، اسلوب اور اوّلین نقوش
ایک تحقیقی جائزہ

اطہر قسیم*

Abstract:

Urdu Autobiography achieved the status of creative art at the end of 19th century. Before this, biographical notes and diaries of kings of Hindustan written in Persian Language became the source for the development of this genre. The discussion about personal details of life and bio data of renowned poets of Urdu had been written in Persian Language. In the writings of kings, there was nothing except the adventures of their personal life and details about the circumstances of Royal Palace. Furthermore, even the poetry of that era reveals the inflated merits of kings just to appease them and to seek their favour where as all the aspects of public life were utterly ignored. In 20th century there are so many remarkable autobiographies written before and after partition which gained popularity for their eloquent style.

There are different opinions about first autobiography in Urdu. In the present article, it has been critically analyzed that which autobiography has firstly been written in Urdu language. From beginning to 21st century, approximately four hundred autobiographies written by literary celebrities and non-literary writers such as high military officials, politicians and bureaucrats. A brief review of these autobiographies is also being reproduced in the following lines.

'آپ بیتی' نثری ادب کی ایک معروف اور معتبر صنف ہے۔اس کے تحت مشاہیر اپنی زندگی کے نشیب و فراز کی داستان، بلا کم و کاست بیان کرتے ہیں گویا آپ بیتی میں مصنف یادوں کے جھروکوں سے عمرِ رفتہ کے اُن واقعات، مشاہدات اور تجربات کو منتخب کرتا ہے جنہیں اُس کی زندگی میں اہمیت حاصل رہی ہوتی ہے۔کتابِ زندگی کے بے شمار اوراق میں سے چند اوراق کا انتخاب یقیناً ایک کٹھن مرحلہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ واقعات کے اعتبار سے

* اُستاد شعبہ اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی۔

عمدہ آپ بیتی وہی قرار پاتی ہے جس میں مصنف واقعات کے ضمن میں حسنِ انتخاب سے کام لے۔
بقول ڈاکٹر تحسین فراقی:

''سچی آپ بیتی تو انکشافِ ذات کا عمل ہے۔ اپنے آپ اور اپنے ابنائے جنس سے بھرپور تعارف کا عمل۔ جذبات کے ہزار رنگ تنوع میں بھی ایک درجے میں ہم رنگی و ہم آہنگی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی آپ بیتی، اپنی آپ بیتی لگتی ہے۔ یہ تو اُونچے اور برف پوش پہاڑوں کا بلاوا ہے جن تک پہنچنا مشکل لیکن جن تک پہنچ کر ایک نئے اور سچے منظر نامے اور حقائق کی ایک رفیع دنیا سے آشنائی ہوتی ہے۔''(۱)

انکشافِ ذات کا رجحان زمانہ قدیم سے انسانی سرشت کا حصہ رہا ہے۔ اُردو نثر میں اس کے ابتدائی نقوش صوفیائے کرام کے ملفوظات میں نظر آتے ہیں۔ آپ بیتی لکھنے کی روایت فارسی ادب میں بہت پہلے سے موجود تھی۔ قدیم ہند میں اس صنفِ ادب کا کوئی باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ آپ بیتی کی روایت مسلم حکمرانوں کے ذریعے ہندوستان کے ادب میں شامل ہوئی۔ باہر سے آنے والے حکمرانوں میں امیر تیمور اور ظہیرالدین بابر نے اپنے حالاتِ زندگی قلمبند کیے۔ اُن کی اِن کاوشوں سے ایک تو اُس عہد کے بارے میں حقائق سامنے آئے، دوسرا ہندوستانی ادب میں باقاعدہ آپ بیتی لکھنے کا رجحان پیدا ہوا۔ اگرچہ اُس دور میں لکھی گئی تزکات آپ بیتی کے زمرے میں نہیں آتیں تاہم اُنہیں آپ بیتی کی ابتدائی شکل قرار دیا جاسکتا ہے۔

روزنامچوں، سفرناموں، تذکروں اور تاریخوں سے قطع نظر جن میں مصنّفین کے ذاتی وسوانحی خودنوشتہ حالات کی جزوی طور پر عکاسی نظر آتی ہے، مستقل بنیادوں پر آپ بیتی لکھنے کی روایت اُردو میں ۱۸۲۰ء میں شروع ہوئی تھی، جب پتمبر سنگھ نے خودنوشت یادداشتیں تحریر کیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کی تحقیق کے مطابق یہ روایت وسط انیسویں صدی کے بعد قدرے عام ہوتی نظر آتی ہے۔ فارسی میں یہ روایت موجود تھی اور اُردو میں آپ بیتی کی روایت کے آغاز کے باوجود، انیسویں صدی کے اختتام تک برقرار رہی۔

میر تقی میرؔ نے فارسی میں اپنی خودنوشت ''ذکرِ میر'' کے عنوان سے اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں لکھی۔ اس عظیم شاعر کی خودنوشت نے اُردو آپ بیتی کی روایت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ میر تقی میرؔ کی آپ بیتی کے بعد عرصہ دُراز تک اس صنف کی جانب کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اگرچہ اس کے دھندلے دھندلے نقوش فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی تالیفات کے دیباچوں وغیرہ میں مل جاتے تھے تاہم آپ بیتی ایک باقاعدہ صنف کی صورت میں بہت بعد میں سامنے آئی۔

آپ بیتی کی ذیل میں وہی تصانیف رکھی جاسکتی ہیں جن میں مصنّفین نے اپنے قلم سے اپنے حالاتِ

زندگی لکھے ہوں بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

''خودنوشت کی صورت میں فرد کو اپنی شخصیت سے باہر نکل کر غیر متعلق اور غیر جانبدار مبصر کی مانند مشاہدۂ ذات کے عمل سے گزرنا ہوتا ہے، گویا دُوربین لگائے، دوسرے سیارہ کی مخلوق کے انداز واطوار ضبطِ تحریر میں لا رہا ہو اور یہی سب سے زیادہ مشکل (مگر ناممکن نہیں) ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص اِس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں ذات وصفات کے لحاظ سے منفرد ہوں تو انداز واطوار کے لحاظ سے یکتا۔''(۲)

آپ بیتی لکھنے کا مقصد انکشافِ ذات ہے یہ اُسی صورت ممکن ہے جب آپ بیتی نگار سچائی سے کام لے۔ آپ بیتی میں مصنف چونکہ منصف کے فرائض بھی سرانجام دے رہا ہوتا ہے اسلئے قارئین بھی اُس سے سچائی کی توقع رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں سچائی کا دامن چھوٹ جائے وہاں آپ بیتی فن کی بلندیوں تک نہیں پہنچ پاتی۔ آپ بیتی نگار اگر یہ سوچتا ہے کہ اظہارِ ذات کے حوالے سے حقائق بیان کر دینے سے معاشرے میں اُس کی شخصیت مجروح ہو جائے گی تو پھر اُسے اپنی داستانِ حیات رقم ہی نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی بھی شخص زندگی کے واقعات لکھنے کا پابند نہیں۔ آپ بیتی لکھنے کے لئے مصنف کا ارادہ ہی اولین شرط ہے۔ البتہ ہر شخص کو اپنی کہانی لکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ واقعات پوری صداقت کے ساتھ بیان کیے جائیں لیکن عام طور پر آپ بیتیوں کے تنقیدی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ معیاری اور فنی لحاظ سے مکمل آپ بیتی ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آسکی۔ تحریروں میں خودستائی، مبالغہ آرائی، کذب بیانی، داستاں طرازی کا رجحان عام پایا جاتا ہے۔ ذاتی زندگی کے بارے میں تمام جزئیات وتفصیلات بیان کرنا خاصا کٹھن مرحلہ ہے جو کسی بھی لکھنے والے سے پوری طرح طے نہیں ہو پا رہا۔ مشرقی ادب میں لکھی گئی آپ بیتیوں میں صیغہ واحد متکلم اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ ہر آپ بیتی نگار نرگسیت کا مریض نظر آتا ہے۔ اُردو ادب میں لکھی گئی آپ بیتیوں کا فنی وموضوعاتی حوالے سے تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا یوں رقمطراز ہیں:

''ہر وہ ادیب جو ساٹھ کے سنگِ میل کو عبور کرنے میں کامیاب ہوا اُس نے اپنے نجی کوائف کی تشہیر کو اپنا فرض سمجھ لیا۔ اس سلسلے میں دو طرح کی آپ بیتیاں ظہور میں آئیں۔ ایک قسم تو اُن آپ بیتیوں کی تھی جو کہنے کو تو آپ بیتیاں مگر اصلاً جگ بیتیاں تھیں۔ یعنی جن میں مصنف نے خود کو مرکزِ دو عالم بنا کر پیش کیا تھا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ موصوف کی زندگی کے دوران اس کا اپنا ملک ہی نہیں، دوسرے ممالک بھی، بلکہ بعض موقعوں پر تو پوری کائنات ہی اُن کی ذات کو مرکز بنا کر گھومتی رہی تھی۔ یوں اُن لوگوں نے زیادہ تر اپنے عہد کے واقعات اور سانحات ہی کو موضوع بنایا۔ ہر چند کہ اپنے حوالے سے ایسا کیا۔ دوسری قسم اُن آپ بیتیوں کی تھی جن میں مصنف نے اپنی ذات کو

دریافت کرنے کی کوشش کی، یعنی محض اپنے بارے میں وہ سب کچھ بیان نہیں کیا جس کا اُسے پہلے سے علم تھا بلکہ اپنی زندگی کے کوائف، خاص موقعوں پر اپنا ردِعمل، نیز اپنی نگارشات، رشتوں، ناتوں، دوستیوں اور دشمنیوں کے ''اِندر جال'' کے اندر سے اپنا آپ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ لہٰذا یہ آپ بیتیاں خود مصنف کے لئے بھی ایک انکشاف کا درجہ اختیار کر گئیں۔ بہر حال آپ بیتیوں کی یہ دونوں اقسام فرد کے ہاں اثباتِ ذات ہی کی کاوشیں تھیں اور ایک خاص دور میں اِن کا وجود میں آنا یقیناً باہر کے مخصوص حالات و واقعات سے بھی ایک بڑی حد تک منسلک تھا۔''(۳)

بلاشبہ'' آپ بیتی'' ایک سخت، دشوار اور قوتِ فیصلہ کو متزلزل کر دینے والی چیز ہے اور وہ ایمانداری، تجزیاتی نظر، خود آگاہی اور واقعیت پسندانہ دیانتداری سے عاری ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیا میں جھوٹ بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو سچ بولنے والوں کا بھی فقدان نہیں ہے۔

ابتدا سے عہدِ حاضر تک سینکڑوں آپ بیتیاں منظرِ عام پر آ چکی ہیں لیکن اُردو کی پہلی آپ بیتی کے حوالے سے متضاد آراء ملتی ہیں۔ 'نقوش' لاہور کے آپ بیتی نمبر میں علم الدین سالک لکھتے ہیں: ''سب سے پہلی آپ بیتی جو اردو زبان میں لکھی گئی وہ جعفر کی 'کالا پانی' ہے۔''(۴)

اُردو زبان میں لکھی گئی پہلی آپ بیتی کے حوالے سے عبدالمجید قریشی کی رائے یہ ہے کہ

''نواب صدیق حسن خان کی آپ بیتی کے بعد مولانا محمد جعفر تھانیسری کی مشہور و معروف آپ بیتی 'کالا پانی' شائع ہوئی۔''(۵)

اس رائے کی روشنی میں نواب صدیق حسین خان کی آپ بیتی ''البقا لمن بالقا لمحن'' کو اردو زبان کی پہلی آپ بیتی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جبکہ علم الدین سالکؔ کی رائے میں مولانا جعفر تھانیسری کی آپ بیتی ''تواریخ عجیب'' یعنی ''کالا پانی'' کو اوّلین آپ بیتی قرار دیا گیا ہے۔ دونوں کا سنۂ اشاعت عموماً ۱۸۸۵ء ہی تصور کیا جاتا ہے۔ سنۂ اشاعت کے حوالے سے محققین شاید زیادہ گہرائی میں نہیں جا سکے حالانکہ ''کالا پانی'' کے آخری صفحات سے اس آپ بیتی کے صحیح سنۂ اشاعت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

مولانا جعفر تھانیسری نے ایک مجاہد آزادی کی حیثیت سے کالا پانی میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن ان کٹھن حالات کو ایک معمولی واقعہ سمجھا۔ غلامی کے دور میں جب ہندوستان میں لوگ اپنی رائے کے اظہار سے خوفزدہ تھے مولانا جعفر تھانیسری کی آپ بیتی ایک اہم کتاب ثابت ہوئی۔ اس آپ بیتی میں جزائر انڈمان کے باشندوں کی تاریخ، اُن کے رسم و رواج، رہن سہن، مذہبی عقائد، تہوار اور اُس خطے کی آب و ہوا کا ذکر تفصیلاً ملتا ہے۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''کالا پانی'' جعفر تھانیسری کی زندگی کا وہ مکمل باب ہے جس میں اُن کی مذہبی اور سیاسی زندگی کے حالات درج ہیں۔ ''کالا پانی'' کے شروع میں مصنف نے اس آپ بیتی کا سنۂ تصنیف ۱۸۸۵ء لکھا ہے۔ جبکہ

آپ بیتی کے آخر میں سیکریٹری گورنمنٹ آف پنجاب کی طرف سے جاری کی گئی ایک چٹھی کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے:

''ہمارے ہندوستان میں واپس آنے کے بعد جو نگرانی پولیس وغیرہ ہمارے اوپر مقرر ہوئی تھی اول تو بذمہ دار وضمانت خود کپتان ٹمپل صاحب نے میرے اوپر سے اُٹھوا دیا تھا اور بعد تبدیلی کپتان ٹمپل صاحب کے محض بہ تائید غیبی بلا سعی سفارش کسی بشر کے وہ احکاماتِ نگرانی وغیرہ بذریعہ چٹھی نمبر ۱۸۸ مورخہ ۶ جنوری ۱۸۸۸ء منجانب سیکریٹری گورنمنٹ پنجاب بنام صاحب کمشنر قسمت دہلی میرے اوپر سے اٹھوا دیئے گئے۔''(۶)

اس مراسلے کی تاریخ اور سنۂ اشاعت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ''کالا پانی'' ۱۸۸۸ء کے لگ بھگ تکمیل کے مراحل تک پہنچی ہوگی۔ اس لحاظ سے عبدالمجید قریشی کی رائے کو فوقیت حاصل ہوجاتی ہے اور نواب صدیق حسن خان کی آپ بیتی اردو زبان میں لکھی گئی اوّلین آپ بیتی قرار پاتی ہے۔

۱۸۸۵ء ہی میں میں نواب اکبر علی خان (رئیسِ پاٹودی) کی بیٹی 'شہر بانو بیگم' نے اپنی آپ بیتی ''بیتی کہانی'' کے عنوان سے لکھی اور ۱۸۸۷ء میں اُسے دیباچے کے اضافے کے ساتھ کتابی شکل دے دی گئی۔ یہ آپ بیتی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دردناک حالات وواقعات کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔ مصنفہ نے اپنے ذاتی حالات کے حوالے سے معلومات فراہم کرنے کے ساتھ اپنے خاندان کے احوال بھی رقم کیے ہیں۔ تحریر کا مرکز ومحور زیادہ تر ۱۸۵۷ء کے اندوہ ناک حالات کو بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جن اہم اور تاریخی واقعات کو مصنفہ نے بیان کیا ہے اُن کی تصدیق متعدد عصری ماخذات سے ہوجاتی ہے۔ اُردو آپ بیتیوں کی تاریخ میں بالعموم اور اُردو کے نسائی ادب میں بالخصوص اس آپ بیتی کو اوّلین خودنوشت سوانح عمری ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ''بیتی کہانی'' کے مطالعہ سے اُس دور کے نسائی ادب کے معیار کا پتہ چلتا ہے اور مصنفہ کے اسلوب اور زبان وبیان کی خوبیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ آپ بیتی میں بہت سے لفظ ایسے بھی استعمال ہوئے ہیں جو عہدِ حاضر میں متروک ہوچکے ہیں۔ اولاً یہ آپ بیتی سندھ یونیورسٹی کے مؤقر تحقیقی مجلّے ''تحقیق'' (شمارہ ۸۔۹، ۹۵۔۱۹۹۶) میں شائع ہوئی اور پھر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی اور اُس کے صدر ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کی خصوصی کاوشوں سے کتابی صورت میں شائع کی گئی لیکن اُس وقت اُس کی اشاعت بہت محدود تھی اور بہت کم اربابِ فکر ونظر اس سے فیضیاب ہوسکے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اس آپ بیتی کو از سرِ نو ترتیب دے کر اسے اُردو کی اوّلین نسوانی آپ بیتی قرار دیا ہے۔ 'بیتی کہانی' کی تدوین واشاعت کو تخلیقی اور تحقیقی دونوں لحاظ سے قارئین وناقدین نے پسند کیا ہے۔ اکابرینِ ادب وتحقیق اور معروف ادبی جرائد نے اپنے تبصروں میں اِسے اُردو کی اولین نسوانی آپ بیتی کے طور پر ادبی اور تاریخی

تحقیق میں ایک دریافت اور جنوبی ایشیاء کے نسائی ادب اور بالخصوص اُردو کے نسائی ادب میں ایک اہم اضافہ قرار دیا ہے۔ اس آپ بیتی کی تحقیق و ترتیب، متن اور تعلیقات کے ضمن میں ڈاکٹر معین الدین عقیل کی کاوشوں پر جامعہ کراچی نے جنوری ۲۰۰۳ء میں اُنہیں ڈی لٹ کی سندِ فضیلت عطا فرمائی۔ اس قدیم آپ بیتی کے دستیاب ہونے کی بابت ڈاکٹر معین الدین عقیل یوں رقمطراز ہیں:

> ''بیتی کہانی'' کے قلمی نسخے کا عکس راقم الحروف کو ڈاکٹر محمد ایوب قادری (۱۹۲۶ء۔۱۹۸۳ء) کے ذاتی کتب خانے (کراچی) سے مرحوم کے فرزند سعید حسن قادری کی عنایت سے عطا ہوا تھا۔۔۔ مرحوم نے اپنے آخری ایام میں راقم سے اِس خودنوشت کا ذکر تو کیا تھا لیکن عادتاً کبھی یہ نہ بتایا کہ اُنہیں اس کا مخطوطہ یا اس کا عکس کہاں سے دستیاب ہوا۔ اس خودنوشت کے ایک اہم کردار مرزا ایوب بیگ اور اُن کے خاندان کے بارے میں مجلّہ تحقیق کے فاضل مدیر ڈاکٹر نجم الاسلام نے اس کے مذکورہ شمارے میں جو اضافی معلومات درج کی ہیں اُن سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اُن کے اخلاف میں سے جو افراد حیدرآباد سندھ اور کراچی میں مقیم تھے، یہ خودنوشت غالباً اُنہی میں سے کسی سے دستیاب ہوئی ہو۔''(۷)

ڈاکٹر معین الدین عقیل کے تحریر کردہ تعلیقات و حواشی کیساتھ شہر بانو بیگم کی یہ آپ بیتی ادارہ علمی حیدرآباد (پاکستان) نے ۱۹۹۵ء میں شائع کی۔ حال ہی میں اس کا ایک ایڈیشن القمر انٹر پرائزز لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ اُردو کی اوّلین نسوانی خودنوشت ہونے کی حیثیت سے ''بیتی کہانی'' کو ایک خاص اہمیت حاصل رہے گی۔

قصہ مختصر، ابتداء سے لے کر موجودہ عہد تک اُردو میں جتنی بھی آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں اُنہیں فنی و موضوعاتی اعتبار سے تین مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ اُردو ادباء اور شعراء کی لکھی ہوئی آپ بیتیاں

ب۔ غیر ادیب شخصیات کی لکھی ہوئی آپ بیتیاں

ج۔ اُردو زبان میں ترجمہ شدہ آپ بیتیاں

آپ بیتیوں کی یہ تینوں اقسام اُردو کے نثری سرمائے میں شامل ہیں۔ تاہم آپ بیتی کسی بھی طبقے کے فرد کی ہو، جب تک اِس میں ادبیت موجود نہ ہو کامیاب نہیں کہلاسکتی۔ آپ بیتی لکھنے والوں کی اکثریت نے اسے تخلیقی صنف کے طور پر زیادہ سنجیدگی سے نہیں دیکھا بلکہ اپنی یادداشتوں کو کسی نہ کسی حوالے سے اہم سمجھ کر ریکارڈ پر لانے کی کوششیں کی ہیں۔ اِس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ بیتی میں توازن اور جرأتِ اظہار کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اچھی آپ بیتی کے لئے ضروری ہے کہ مصنف تفاخر سے پرہیز کرے اور واقعہ کو واقعہ کے طور پر ہی بیان

کرے۔ اس ضمن میں قارئین بہترین منصف ہوتے ہیں جو سچے نقاد کی حیثیت سے آپ بیتی کی حیثیت کا تعین کرتے ہیں۔ اُردو ادب میں لکھی گئی آپ بیتیوں میں چند ایک آپ بیتیوں کے سوا کم وبیش تمام آپ بیتیوں میں ضخامت بڑھانے کے لئے غیر متعلقہ مواد شامل کیا گیا ہے۔ سیمیناروں مذاکروں اور مشاعروں کی مفصل روداد یں بیان کر کے آپ بیتی نگاروں نے درحقیقت اپنے سوانحی حالات سے چشم پوشی کی ہے۔

مجموعی لحاظ سے دیکھیں تو صنفِ آپ بیتی پر بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں خاص توجہ دی گئی اور یہ صنف ہنوز ارتقاء کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ اب تک شعراء، ادباء، ناقدین، علماء، سیاستدان، مؤرخین اور بعض خواتین نے اپنے افکار ونظریات کو اس صنف کے ذریعے قارئین تک پہنچایا ہے۔ کسی نے آپ بیتی میں اپنے پورے عہد کو نمایاں کیا ہے اور کسی نے محض ایک خاص دور کی تصویر کشی کی ہے، کسی نے اپنی ذات کو مرکز ومحور بنا کر آپ بیتی لکھی ہے اور کسی نے اپنے احباب کے شخصی خاکوں کو آپ بیتی میں نمایاں جگہ دی ہے، کسی نے اپنی داستانِ حیات کو ناول اور افسانے کے روپ دیا ہے اور کسی نے اسے خوبصورت شعری آہنگ میں ڈھالا ہے۔ آپ بیتی کا فن درحقیقت رنگارنگی اور تنوع کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان وبیان کی خوبیوں اور اسلوب کے اعتبار سے اُردو ادب سے وابستہ شخصیات کی آپ بیتیاں ہی سوانحی ادب کا حقیقی سرمایہ قرار دی جاسکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، عبدالماجد دریابادی۔احوال و آثار، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۳ء، ص ۴۱۸

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشانِ جگر سوختہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۸

۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، پاکستان میں اُردو ادب، مشمولہ راوی، لاہور، جلد ۸۰، واحد شمارہ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۴

۴۔ سالکؔ، علم الدین، آپ بیتیوں کے بعض نمایاں پہلو، مشمولہ نقوش، آپ بیتی نمبر، لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء، ص ۵۴

۵۔ عبدالمجید قریشی، آپ بیتی اردو ادب میں، الزبیر، آپ بیتی نمبر، بہاولپور، ۱۹۶۴ء، ص ۳۲

۶۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری، مشمولہ نقوش، آپ بیتی نمبر، لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء، ص ۱۸۲

۷۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، بیتی کہانی، مشمولہ ماہنامہ اخبار اُردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، مارچ ۲۰۰۷، ص ۳۷